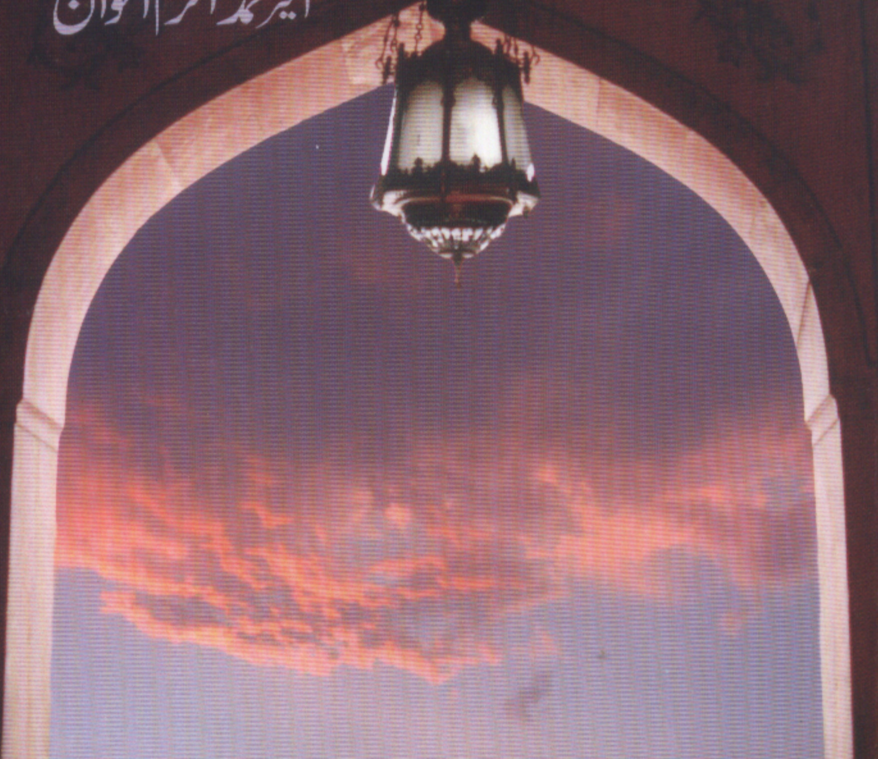
رموزِ دل

امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ



حمد

تیرا نام لیتے ہیں غنچے چٹک کر
کلی تیری عظمت کے گن گا رہی ہے
زباں پتے پتے کی اس سے معطر
اسی نام پہ شاخ لہرا رہی ہے
چمن تو حکایت ہے تیری عطا کی
جو ہر رنگِ گل میں نظر آ رہی ہے
ہوا سرسرائے تیرا نام لے کر
فضا پہ عجب نغمگی چھا رہی ہے
اُلجھ کر ہوا ٹہنیوں سے شجر کی
تیرے نام کے زمزمے گا رہی ہے
تیرا نام سورج کی گرمی کا باعث
اسی سے یہ سب روشنی آ رہی ہے

اسی مہرباں مہر سے پھوٹتی ہے
کرن جو زمانے کو چمکا رہی ہے

یہی نام ہے چاند کی چاندنی میں
سکوں دیکھیے کتنا برسا رہی ہے

ہو بولی کوئی اس میں تو بولتا ہے
زباں کوئی ہو تیرے گُن گا رہی ہے

تعجب ہے انساں تجھے بھول جائے
یقیناً حیات اس کی گھنا رہی ہے

بدن کے ہے تابوت میں لاش دِل کی
جو دریا میں جگ کے بہے جا رہی ہے

بچا لے تو سیمابؔ کو غفلتوں سے
یہی دِل سے میرے صدا آ رہی ہے

نعت

حُسنِ ظاہر سے تیرے روشن جہانِ رنگ و بو
پر جمالِ باطنی کی ضوفشانی اور ہے

دیکھتی ہے آنکھ گنبد کو کبھی در کو کبھی
دِل نے جو دیکھا ہے آقاؐ وہ کہانی اور ہے

بہتے ہیں دریا بہت شوریدہ سر موجیں بھی ہیں
بحرِ رحمت کی تیرے لیکن روانی اور ہے

چاہنے والوں سے چھپنا ہے وطیرہ حسن کا
گھر پہ تیرے عاشقوں کی میزبانی اور ہے

تیری طاعت میں ہے لطفِ زندگی بے شک فقیرؔ
کیف آگیں لذتِ دردِ نہانی اور ہے

تصوف وسلوک ایک ایسا موضوع ہے جو جس قدر اچھوتا ہے اس سے زیادہ ضروری ہے اور یہ کیفیاتِ ایمان ویقین اور وارداتِ قلبی کو زیرِ بحث لاتا ہے۔ بہت سے بزرگوں نے لکھا ہے کہ لوگ صوف کا لباس پہنتے تھے اِس لیے صوفی کہلائے مگر بندہ کا خیال ایسا نہیں۔ میری رائے میں قرآنِ کریم کے لفظ ''تزکیہ'' کا فارسی ترجمہ تصوف ہے یعنی صفائے قلب اور یہ برکاتِ نبوت میں سے ہے۔ حقیقتاً اس کے سوا بات بنتی نہیں۔ میں یہاں اِس کے ثبوت کے لیے کچھ نہیں لکھنا چاہتا کہ اس موضوع پر صحابہ کرامؓ اور خیر القرون سے لے کر آج تک بے شمار بزرگوں نے لکھا ہے۔ اِسے اصلِ دین اور انتہائی ضروری ثابت کیا ہے۔

اگر ان سب سے کوئی مطمئن نہیں ہو سکا تو پھر فقیر کی کیا حیثیت ہے اور میرے لکھنے سے اسے کیا فرق پڑے گا۔

آج کے دور میں حالت یہ ہے کہ ہندوستان سے ایک ذِکر کے ساتھی نے لکھا ہے کہ مَیں دار العلوم دیو بند گیا تھا۔ وہاں تو کوئی ذکرِ قلبی سے واقف تک نہیں۔ مَیں خط پڑھ کر لرز گیا کہ جن بزرگوں نے یہ ادارہ بنایا، بنیاد رکھی اور زمانۂ قریب تک تو سب صوفی تھے تو اَب یہ حال ہے کہ موجودہ حضرات نے بزرگوں کی اُن کتب کو طاقِ نسیاں میں رکھ دیا ہے جو نہ صرف سلوک کے اثبات میں تھیں بلکہ مختلف طریقہ ہائے ذِکر پہ بھی بہت لکھا ہے اور طالبین کی راہنمائی فرمائی ہے۔

حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ سے لے کر مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ تک کون سے ایسے بزرگ نہ تھے جو نہ صرف ذاکر تھے، بلکہ خلقِ خدا کو ذِکر سے آشنا کیا اور مختلف طریقہ ہائے ذکر پہ لکھا۔ خود شیخنا المکرّم نے دلائل السلوک لکھ کر اِس ذخیرے میں ایک بہت ہی بیش قیمت اور گراں قدر اضافہ فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس موضوع پر صرف اُن کتب میں سے چند نام یہاں دے دوں (کہ پوری فہرست تو خاصی طویل ہو گی) جو دار العرفان کی موجودہ لائبریری میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ذخیرہ تفاسیر میں ہر مفسر نے اور ذخیرۂ حدیث میں ہر محدث نے اِس موضوع پر لکھا ہے۔

مَیں یہاں جو چند حروف سپردِ قلم کرنا چاہتا ہوں ان میں صرف لطائف اور مراقبات کی کیفیات، ان کا عملی زندگی پر اثر اور لطائف و مراقبات کی حقیقت کا پتہ کیسے چلتا ہے یا چلایا جاسکتا ہے؟ کا ذِکر ہے۔

یہ موضوع بہت نازک ہے اور اس پر اس انداز سے کبھی لکھا نہیں گیا۔ شاید ہر زمانے کی اپنی ضرورت ہوتی ہے اور اس سے پہلے شاید اس کی ضرورت ہی نہ تھی۔ خود ہم نے جب سلوک سیکھا تو شیخ المکرّم سے بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی بلکہ

بعض اوقات ایک کیفیت کو ہم دوساتھی اپنے اپنے انداز میں سمجھتے تھے (اصولاً تو فرق نہ ہوتا مگر تفصیل و تعبیر میں ایک حد تک فرق ہوتا) تو عمر بھر دونوں اپنے اپنے حال پر قائم رہے۔ کسی کو شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے بات کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

آج زمانہ اور اس کے بسنے والے بدل چکے ہیں۔ وہ ہر بات میں منطق اور دلیل چاہتے ہیں اور ہر بات کی تعبیر و تفسیر پوچھی جاتی ہے۔ یہ تبدیلی ہمارے سامنے ہوئی اور آج ہم اس کا سامنا کر رہے ہیں۔ لہٰذا فقیر بتوفیقِ الٰہی ایک حد تک کیفیات قلم بند کرنے کی سعی کر رہا ہے۔ اِس لیے نہیں کہ منکرین مان جائیں بلکہ صرف اِس لیے کہ راہ روانِ طریقت کی راہنمائی ہو سکے اور انھیں اپنی کیفیاتِ قلبی اور ان کے اثرات سمجھنے میں آسانی ہو۔ جو ثبوت چاہتے ہیں ان کے لیے فہرستِ کتب حاضر ہے۔ استفادہ فرمائیں۔ یہ صرف ان کتب میں سے چند نام ہیں جو دارالعرفان کی لائبریری کی زینت ہیں اور اِسی موضوع سے متعلق ہیں ورنہ ان کے علاوہ بھی بے شمار کتب ہوں گی۔

علاوہ ازیں ایک ضروری بات جو بہت قابلِ توجہ ہے۔ وہ ہے کشف اور مشاہدہ کی۔ یہ لازمی اور ضروری نہیں ہے بلکہ یہ ثمرات میں سے ہے اور من جانب اللہ عطا ہوتی ہے اگر کسی کو کشف نصیب ہو تو انعامِ الٰہی ورنہ یہ اس بات کا معیار نہیں کہ ذِکر درست ہو رہا ہے۔ ہاں جو کیفیات اور اثرات عملی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں وہ معیارِ قبولیت ہیں کہ جس کا مجاہدہ قبول ہوتا ہے، جو خلوصِ نیت اور صحتِ عقیدہ پر منحصر ہے، اس کے اثرات بندے کے کردار سے ظاہر ہوتے ہیں اور یہ خاص رحمتِ الٰہی

ہے۔ بعض احباب کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ چونکہ مجھے مشاہدہ نہیں ہوتا تو شاید میرے لطائف منور نہیں ہیں۔ یہ تاثر درست نہیں بلکہ ضروری ہے کہ لطائف و مراقبات کا اثر کردار میں نمودار ہو۔

امیر محمد اکرم اعوان

اعوذ باالله من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا خالق ہے اور تمام علوم کا مصدر ہے۔ جس نے ایک ایک ذرے میں اس قدر راز چھپا دیئے ہیں کہ مخلوق میں سے کسی کو یہ دعویٰ نہیں کہ وہ سب جانتا ہے۔ یہ صرف اسی ذات کو زیبا ہے۔ ہاں مخلوق میں سے جسے جس قدر علم عطا کرتا ہے اِتنا ہی وہ جان سکتا ہے۔ اس کی تخلیق کا شاہکار انسان ہے۔ یوں تو ہر تنکا، ہر پتہ، ہر ذرہ بے شمار رازوں کا امین ہے اور ہر راز اللہ جل شانہ کی عظمت کا گواہ ہے۔ جس پر جس قدر راز آشکارہ ہوتے ہیں وہ اُسی قدر اللہ کریم کی عظمت کا اقرار کرتا چلا جاتا ہے بشرطیکہ اس کا مزاجِ انسانی تباہ نہ ہو چکا ہو اور اگر کسی کے مزاج میں فساد آ چکا ہو تو ہر دوا اُلٹا اثر کرتی ہے اور ہر راز گمراہی اور انانیت کا سبب بن سکتا ہے۔ اللہ کریم اس مصیبت سے اپنی پناہ میں رکھے۔

مَیں یہاں اللہ کریم کی دی ہوئی توفیق سے چند بنیادی باتیں عرض کرنے کا متمنی ہوں کہ شاید کسی طالبِ حقیقی کی راہنمائی کا سبب بن کر باعثِ نجات بن سکیں۔

وما توفیقی الا باالله

لطائف

انسان پانچ چیزوں کا آمیزہ ہے۔ آگ، ہوا، پانی، مٹی اور نفس جو اِن چاروں اجزاء کے ملنے سے بنتا ہے، مگر یہ پانچ اجزاء بدنِ انسانی ہیں، جن پر 'انسان' کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ محققین کے نزدیک جب مطلق انسان بولا جائے گا تو مراد رُوح سے ہوگی کہ بدن میں جب تک رُوح پھونکی نہیں جاتی کوئی اسے انسان نہیں کہتا اور جب رُوح نکل جاتی ہے تو مردہ یا نعش تو کہلاتا ہے، انسان نہیں۔

رُوح عالمِ امر سے ہے۔ عالم بنیادی طور پر دو ہیں۔

1۔ عالمِ خلق، جس میں اللہ کی ذات کے سوا ساری مخلوق شامل ہے اور

2۔ عالمِ اَمر، جو عالمِ خلق سے اُوپر ہے۔

یعنی جہاں خلق کی حد ختم ہوتی ہے وہاں سے عالمِ اَمر کی ابتداء ہوتی ہے۔ خلق کے لیے فنا ہے، دوام نہیں اور اَمر اوصاف باری میں سے ایک صفت ہے۔ اِسے دوام

ہے، فنا نہیں۔

رُوح عالمِ اَمر میں سے ہے اور اِس کے پانچ لطائف بھی عالمِ اَمر میں سے ہیں، جیسے بدن کے اجزاء چنانچہ قلب، رُوح، سری، خفی اور اخفاء، یہ پانچ لطائف عالمِ اَمر سے ہیں تو انسان دس چیزوں کا مرکب ہے۔

لطیفۂ قلب

پہلا لطیفہ، قلب ہے یہ دِل کے اندر ایک لطیفۂ ربانی ہے، جس پر حضرت آدم علیہ السلام سے فیض آتا ہے۔ اس کے انوارات کا رنگ زرد ہوتا ہے۔ یہی وہ لطیفہ ہے جو حکومت کرتا ہے۔ اسی میں خواہشات پیدا ہوتی ہیں، آرزوئیں بنتی ہیں، جن کی تکمیل کے احکامات دماغ کو جاتے ہیں اور وہ پورے بدن کو ان کی تعمیل پہ لگا دیتا ہے۔

جہاں اس کی یہ خصوصیات ہیں وہیں اس میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اگر ایمان قبول کرے تو تجلیاتِ باری کا مرکز بھی بن سکتا ہے اور یوں امورِ دُنیا میں بھی احکامِ الٰہی اور تعلیماتِ نبوت سے مزین ہو کر شاد کام ہوتا ہے اور اسی پر اس کی آخرت کی تعمیر بھی تکمیل پاتی ہے۔

یہ مقام دِل کے اندر ہے اور اللہ کریم نے انسان کو اختیار دیا ہے کہ ایمان قبول کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کر لے۔ انسان کے اس فیصلے کو بہت سے خارجی

اسباب بھی متاثر کرتے ہیں، جن میں اوّلیت رزق کو حاصل ہے کہ حرام سے بچتا ہو، پھر یہ کہ اس کی صحبت کیسے لوگوں سے ہے یا اس نے کن لوگوں میں پرورش پائی مگر اس سب کے باوجود حقیقی فیصلہ اس کا اپنا ہوتا ہے۔ اگر ایمان قبول کرنا نصیب ہو جائے تو سب اثرات دُھل جاتے ہیں اور آگے نئی اور خوشگوار زندگی شروع ہو جاتی ہے۔

قبولیتِ ایمان صرف زبانی کافی نہیں اس کی خاطر تصدیقِ قلبی ضروری ہے اور تصدیق، اسی لطیفۂ قلب کو جِلا بخشتی ہے اور یہ روشن ہو جاتا ہے۔ ایک نوری شعاع، قلبِ اطہرِ رسول ﷺ سے اس پر آنا شروع ہو جاتی ہے اور یوں اس دل کا، جس میں ایمان ہے، ایک رِشتہ قلبِ اطہرِ رسول ﷺ سے استوار ہو جاتا ہے۔ پھر صحبتِ صالح اور رزقِ حلال اُسے اتباعِ شریعت پہ مضبوط کرتے چلے جاتے ہیں لیکن اسے کسی شیخِ کامل کی صحبت نصیب ہو جائے تو بیک نگاہ وہ اس قدر مضبوط ہو جاتا ہے کہ اس کے سبب سے اتباعِ شریعت کی توفیق نصیب ہو کر عملی زندگی کی اصلاح ہو جاتی ہے اور یہی تصوف ہے۔

تصوف کسی شعبدہ بازی کا نام نہیں بلکہ مقاماتِ علیہ کا حصول اور اس کے طفیل عملی زندگی میں اصلاح اور حصولِ تقویٰ کا نام ہے اور اس کی اساس لطیفۂ قلب ہے۔ شیخ کی پہچان بھی یہی ہے کہ اس کی صحبت میں قلب منور ہو کر کردار کی اصلاح کا سبب بن جائے۔

لطیفۂ روح

شیخ کی توجہ سے جب قلب منور ہو جاتا ہے تو پھر یہ روشنی صرف قلب تک ہی نہیں رہتی، اس کے بعد دوسرا لطیفہ روشن ہوتا ہے جسے ''رُوح'' کہتے ہیں۔اس کے انوارات کا رنگ سرخ سنہری ہوتا ہے۔قلب بنیاد ہے عالمِ خلق کے عالمِ اَمر کے ساتھ تعلق کی تو لطیفۂ رُوح اس کا مظہر ہے۔ یہ لطیفہ، بدن اور رُوح کے ساتھ تعلق کی کڑی ہے، جس قدر یہ منور ہوتا ہے اس قدر خواہشاتِ مادی پر خواہشاتِ رُوحانی کا غلبہ ہوتا ہے اور بندہ اکلِ حلال اور صدقِ مقال کی طرف متوجہ ہوتا ہے، بدن کے ساتھ رُوح کی بھلائی اور ترقی کے کام کرتا ہے۔

یہ بڑا عجیب رِشتہ ہے کہ اجزائے بدن مادی اور کثیف ہیں نیز مخلوق ہونے کی وجہ سے فانی ہیں۔رُوح عالمِ اَمر سے ہے، لطیف ہے اور ابدی ہے۔رُوح کو فنا نہیں کہ عالمِ اَمر، صفاتِ باری میں سے ہے اور اس کی ذات وصفات کو کبھی فنا نہیں۔ اَب یہ رِشتہ کیسے استوار ہوا؟ یہ بات انسانی خرد سے بالاتر ہے۔مگر یہ بات حتمی ہے کہ بن گیا تو اَب ٹوٹے گا نہیں۔ چونکہ رُوح کو دوام ہے تو بدنِ انسانی کو بھی دوام نصیب ہو گیا۔ جنت میں جائے یا جہنم میں، رہے گا ہمیشہ ہمیشہ۔کبھی فنا نہ ہو گا۔

لطیفۂ رُوح پر دو انبیاء کا فیض ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں حضرات استقامت کا پہاڑ تھے، جیسے حضرت آدم علیہ السلام

کی خصوصیت تھی کہ قدرتِ باری نے انھیں خود بنایا لہٰذا ان کی توجہ سے لطیفۂ قلب بھی صفتِ باری کا شاہکار ٹھہرا۔ اسی طرح جب لطیفۂ رُوح بھی منور ہو جائے تو حق پر استقامت نصیب ہوتی ہے خواہ مقابل شداد جیسی قوتِ باطلہ ہی کیوں نہ ہو اور حالات و مصائب کی آتشِ نمرود میں ہی کیوں نہ پھینک دیا جائے۔ جس طرح نوح علیہ السلام نے 950 برس تبلیغ کی مگر بہت کم لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اتنا لمبا عرصہ کفار ان کا مذاق اُڑاتے اور ایذا پہنچاتے رہے مگر اِن کی استقامت علی الحق میں سرِ مُو فرق نہ آیا۔ پھر اس کا پرتو اپنی حیثیت کے مطابق نصیب ہوا کہ بالآخر کفار غرقِ آب ہو کر تباہ ہوئے اور انسانی آبادی نئے سرے سے ان کی ذات سے شروع ہوئی۔ گویا انتہائی سخت حالات میں بھی بندۂ حق، حق پر قائم رہتا ہے۔ اس کا عمل دوسروں کی دیکھا دیکھی نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کے لیے مشعلِ راہ بن جاتا ہے۔

لطیفۂ سری

تیسرا لطیفہ سری ہے۔ اِس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فیض ہوتا ہے۔ اس کے انوارات کا رنگ سفید ہوتا ہے۔

سِر کا معنی بھید یا راز کا ہے اور ذاتِ موسوی میں بہت سے راز پوشیدہ ہیں۔ ان کا فرعون کے گھر پلنا، جو اِن کو قتل کروانے کے لیے ہزاروں بچوں کو قتل کر رہا تھا، پھر مصر سے بھاگ کر نکلنا انھیں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچا دیتا ہے۔ جہاں اہلیہ، اولاد، گھر بار سب نصیب ہوتا ہے، پھر وادئ طوٰی میں پہنچنا اور سب سے بڑا بھید ہے اللہ کریم سے شرفِ ہمکلامی کا نصیب ہونا کہ بدنِ انسانی کس طرح سے

کلامِ الٰہی کو سنتا ہے اور عقلِ انسانی کیسے اس کو درست تسلیم کرتی ہے۔

کلامِ ذاتی کا سننا کانوں کا محتاج نہ تھا بلکہ بدن مبارک کا ہر ذرہ سنتا تھا اور اس سننے میں ایک الگ لذت تھی کہ کوئی شخص اچھا کلام کسی خوش الحان سے سنتا ہے تو وجد میں آجاتا ہے۔ بھلا کوئی اندازہ کرسکتا ہے کہ کلامِ باری سے کیا طوفان بپا ہوتا ہوگا! اس ذوق اور لذتِ سماعت نے تو ان کی زبانِ مبارک پہ جاری کردیا کہ میں تو شوقِ دید سے لرزہ براندام ہوں۔ یہ ذوقِ دید کیسے پیدا ہوا؟ اسی لذتِ کلام کا اثر تھا۔ چنانچہ یہ لطیفہ جب روشن ہوتا ہے تو بندہ جس کا لطیفۂ قلب اُسے ذاتِ باری پر ایمان و یقین سے لبریز کیے ہوئے تھا اور لطیفۂ رُوح نے روشن ہو کر اطاعت پہ استقامت عطا کردی تھی لذتِ دیدار کا طالب ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے جب ذوقِ جمال نمو پاتا ہے تو معشوق و مطلوب کی رضا و پسند کے خلاف عمل کرنا تو دُور کی بات، سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ سب کرنے کے کام ہیں۔ لکھنے کو ہزاروں صفحات لکھے جائیں مگر اندازہ اسی کو ہوسکتا ہے جسے عملاً یہ دولت یا اس کا کوئی ذرہ یا ایک کرن ہی نصیب ہوجائے۔

لطیفۂ خفی

چوتھا لطیفۂ خفی ہے۔ اِس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فیض ہوتا ہے۔ خفی کے معنی پوشیدہ اور سر سے بھی پوشیدہ تر راز چنانچہ ان کی ذات مبارک میں خود ان کی پیدائش ایک عجیب بات ہے۔ اللہ کریم نے انھیں بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔ پھر ان کا دُنیا میں آتے ہی کلام فرمانا اور عظمتِ الٰہی اور دُنیا و آخرت کی باتوں کا اظہار فرمانا ایک ایسا بھید ہے جس کی بجز قدرتِ الٰہی کوئی تعبیر و وضاحت نہیں ہوسکتی۔ اور پھر نوجوانی میں آسمانوں پہ اُٹھایا جانا اور حیاتِ دنیوی کا آسمانوں پہ بسر کرنا۔ کس قدر راز کی باتیں

ہیں کہ بدن مادی ہے، اس کی ضروریات مادی، صحت و بیماری، راحت و کلفت اُس کا خاصہ مگر اِسی وجود کو وہ لطافت عطا ہو کہ آسمانوں پہ رہ سکے۔ ضروریاتِ بدن اُس جہان کے مطابق ڈھل جائیں مگر ان کی اصل باقی رہے کہ جب واپس دُنیا پہ تشریف لائیں گے تو بدن کے سارے اوصاف موجود ہوں گے۔ کھانا و پینا، خوشی آرام، رنج و کلفت حتیٰ کہ شادی کریں گے اور طبعی موت کی راہ سے واصلِ حق ہو کر روضۂ اطہر میں دفن ہوں گے۔ یہ سب بہت ہی گہرے راز ہیں اور ان کا پرتو جسے نصیب ہو جائے اُسے آخرت، حساب کتاب، جنت و دوزخ پہ کامل یقین ہو جاتا ہے۔ اِس لطیفہ پر گہرے نیلے رنگ کے انوارات ہوتے ہیں جو مسلمان کی زندگی پر اتباعِ شریعت کے رنگوں کو بہت گہرا کر دیتے ہیں اور بہت سی خفیہ اور ادق باتیں اس کے دِل پر اُتر کر کامل ایمان کا باعث بنتی ہیں۔

اخفاء

پانچواں لطیفہ اخفاء ہے۔ جیسا کہ اپنے نام سے ظاہر ہے کہ یہ خفی سے بھی پوشیدہ تر ہے۔ اِس پر حضرت محمد ﷺ کا فیض ہوتا ہے اور انوارات کا رنگ سبز ہوتا ہے۔

جس قدر علوم کے خزانے اولین و آخرین کو نصیب ہوئے یا ہوں گے یا جو علوم تمام انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئے، وہ سب اور اس سے جس قدر زیادہ اللہ جل شانہ کو منظور ہوا، آپ ﷺ کو عطا ہوئے۔ آپ ﷺ کی ذات ہی تمام عالموں

کے لیے رحمتِ باری قرار دی گئی لہٰذا اس کے اسرار اسی قدر ادق اور گہرے ہیں اور اس میں رموز کے سمندر متلاطم رہتے ہیں۔ ہر ذاکر کو اس کی حیثیت یعنی خلوص اور محنت کے مطابق نصیب ہوتے ہیں۔ یہ لطیفہ باقی چاروں لطیفوں پہ بھی حاوی ہو کر ان کی ترقی کا باعث بنتا ہے۔ جب لطیفۂ اخفاء روشن ہوتا ہے تو عجیب اسرار و رموز کھلتے ہیں جنھیں بندہ محسوس تو کرتا ہے، بیان کرنا مشکل ہے۔ اوّل یہ کہ محسوسات کو الفاظ میں ڈھالنا بھی ہر کسی کے بس میں نہیں ہوتا اور دوم یہ کہ کسی میں تابِ شنید بھی مفقود ہے۔ جب لوگ سننے کی تاب ہی نہیں رکھتے تو ان سے سمجھنے کی اُمید عبث ہے۔

اِس کا حامل ان چھوٹی سے چھوٹی باتوں پر بھی عمل کی کوشش کرتا ہے جسے عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جیسے تھوکتے وقت خیال کرے کہ قبلہ کی طرف نہیں تھوکنا یا جوتا اور جراب پہنتے وقت پہلے دایاں پاؤں پہنے اور اُتارتے وقت بایاں۔ جہاں لوگ فرائضِ پنجگانہ سے غافل ہوں وہ ان باتوں کو قابلِ توجہ ہی کہاں سمجھتے ہیں مگر محسوسات اور انوارات کی کمی بیشی کا احساس ذاکر کو ان پر کاربند بنا دیتا ہے اور بندہ بفضل اللہ تعالیٰ دِل و جان اور رُوح و جسم سے تعمیلِ شریعت کے لیے سرگرمِ عمل ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ ایک شخص کو ساری زندگی کی ظاہری تعلیمات اور تربیت وہ عزم اور خلوص عطا نہیں کر سکتیں جو حاملِ لطیفۂ خمسہ کو شیخ کی توجہ سے نصیب ہوتا ہے۔

نفس

چھٹا لطیفہ نفس ہے۔ وہ نفس جو اجزائے بدن کے ترتیب پانے سے وجود پذیر ہوتا ہے۔ جس کے بارے ارشاد ہے کہ بے شک نفس برائی کی طرف بہت کوشش

کرتا ہے اور نفسِ امارہ کہلاتا ہے۔ اِس پر تجلیاتِ باری ہوتی ہیں جن کا رنگ یا چون و چگوں مقرر نہیں کیا جا سکتا۔

لطائفِ خمسہ جب روشن ہوتے ہیں تو نفس کو بھی روشنی نصیب ہوتی ہے اور اولاً لوامہ بنتا ہے یعنی خلافِ شریعت عمل پہ ملامت کرنے والا۔ پھر ترقی کر کے مطمئنہ بن جاتا ہے اور مستقل اطاعتِ الٰہی کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ یہ عجیب نعمت شیخِ کامل کی اک نگاہ اور ایک توجہ سے نصیب ہو سکتی ہے۔

انسانی زندگی کی تکمیل نفس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اگر نفس بارگاہِ الوہیت اور دربارِ رسالت ﷺ کی طرف گامزن ہو جائے تو نہ صرف زندگی بلکہ موت اور آخرت بھی سنور جاتی ہے اور بندہ مقصود کو پا لیتا ہے۔

سلطان الاذکار

اس کے بعد ساتواں لطیفہ سلطان الاذکار ہے۔ گویا بدن کا ہر سیل (Cell) ذاکر ہو جاتا ہے اور اس پر تجلیاتِ باری ہوتی ہیں۔ سائنس دانوں کے مطابق ہر بدن میں تقریباً اڑھائی کھرب سیل ہوتے ہیں۔ سلطان الاذکار میں گویا ہر سیل (Cell) ذاکر اور روشن ہو جاتا ہے۔

ذرا اس بدن کا خیال کرو جس میں نورِ خدا سے اڑھائی کھرب قندیلیں روشن ہوں۔ سانس کی آمد و شد اور دِل کی ایک دھڑکن میں یہ اڑھائی کھرب سیل کئی بار

اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ، اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کہہ اُٹھتے ہوں۔ ایسے بدن کو حفاظتِ الٰہیہ نصیب ہوتی ہے اور اس کی عملی زندگی اتباعِ شریعت میں ڈھل جاتی ہے۔ یہ اور بات کہ جو لوگ نہ شریعت سے واقف ہوں نہ مرادِ شریعت سے، محض الزام تراشی کی عادت میں اس پر الزام لگاتے رہیں مگر عنداللہ اُسے توفیقِ عمل نصیب ہو جاتی ہے اور اس کا سونا جاگنا، کمانا کھانا، دوستی دُشمنی غرض زندگی کا ہر شعبہ اتباعِ شریعت میں ڈھل جاتا ہے۔ یہ سب شیخِ کامل کی نسبت کا کرشمہ ہوتا ہے۔ اِسی لیے صوفیا نے شاعری اور نثر دونوں میں شیخ کی بے بہا تعریف کی ہے مگر پھر بھی حق تو یہ ہے کہ شیخِ کامل کی تعریف کی ہی نہیں جاسکتی اور اگر شیخِ کامل کا مقام یہ ہے تو پھر شانِ رسالت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کیا ہو گی! کہ مشائخ جن کی جوتیوں کی خاکِ عالی کے ذرات ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ ساتوں لطائف ذاکر ہو جائیں تو بدن انوارات و تجلیات کا چلتا پھرتا خزانہ بن جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر اس ساری توجہ کو پہلے لطیفے، قلب پہ لے جایا جاتا ہے۔

رابطہ

کچھ دیر تک پہلا لطیفہ کرنے کے بعد طریقۂ ذکر تبدیل ہوتا ہے کہ پہلے پاسِ انفاس تھا یعنی سانس اندر جائے تو اسم ''اللہ'' اس کے ساتھ اندر اُترے اور باہر آئے تو ''ھُو'' کی چوٹ لطیفے پر لگے مگر اب سانس اندر تو اُسی طرح جائے، جب خارج ہو تو ''ھُو'' کی چوٹ عرشِ عظیم پر جا کر لگے۔ اِسے ''رابطہ'' کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی زمین پر رہ

کر عرش سے رابطہ استوار ہو۔

رُوح چونکہ عالمِ اَمر میں سے ہے لہٰذا جب لطائف روشن ہوتے ہیں تو بدن پر رُوح کا غلبہ ہوتا ہے اور بدن اپنے مادی معاملات شریعت کے مطابق عمل میں لاتا ہے جس سے دنیا و آخرت دونوں سنورتے ہیں۔ رُوح کو عالمِ اَمر سے رابطے کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور اس کا سفر اپنے مقام اور گھر کی طرف شروع ہوتا ہے۔ عالمِ اَمر بالائے عرش سے شروع ہوتا ہے لہٰذا ابھی اسے عرش کی وسعتوں سے گزرنا ہے۔ جب کہ خود عرش کے نو حصے ہیں، جنھیں نو عرش کہا جاتا ہے۔ ہر حصے کی وسعت بے پناہ ہے۔ یاد رہے کہ یہاں سب کچھ جہاں ایمان و عمل کا متقاضی ہے وہاں شیخ کی توجہ کا محتاج ہے اور شیخِ کامل کو یہ قوت اپنے مشائخِ عالی کی وساطت سے قلبِ اطہرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیب ہوتی ہے۔ یہی قوت اصلاحِ اعمال کا سبب بھی بنتی ہے۔ چنانچہ لطائف کرنے کے بعد پوری توجہ رابطہ پر دی جاتی ہے جو رُوح کے عالمِ بالا کے سفر کا راستہ یا ذریعہ بنتی ہے۔

OOO

مراقبات

مراقبہ کا معنی یکسو ہوکر اور گردن جھکا کر بیٹھنا ہے اور مراد ہے ظاہری آنکھیں بند کر کے، گردن جھکا کر پوری طرح اپنے مقصد کی طرف متوجہ ہونا اور جس مقام کی طرف متوجہ ہوں اُس کی کیفیات کو وصول کرنا یا جذب کرنا۔ چنانچہ لطائف کے بعد مراقبات کی ابتدا ہوتی ہے۔

مراقبۂ احدیت

یہ مراقبہ پہلا قدم ہے۔ بالائے آسمان، عرشِ عظیم کے دروازے پر ،بلند و بالا ستونوں پہ استوار ایک سفید نورانی عمارت ہے اس کے عظیم دروازے کے سامنے اپنی رُوح کو کھڑا پاتے ہیں۔ اس سے زیادہ اس کی تفصیل میں نہ جاؤں گا کہ

کوئی دوکاندار سب کچھ پڑھ کر دوکان سجانے نہ بیٹھ جائے۔ ہاں اس کی تسبیح ہے۔

"فَاِذُ اللّٰه مُنَزَّہ" بے چون وچگوں

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِد

وَحْدَهٗ لا شَرِيْكَ لَكَ يَااَللّٰه

یہاں توحیدِ باری کا احساس شدت اختیار کر جاتا ہے اور دِل غیر اللہ کے خیال سے یکسر آزاد ہو جاتا ہے کہ تسبیح غائب کے صیغہ سے شروع ہو کر متکلم پہ پہنچتی ہے کہ اللہ جل شانہ کی توحید بیان کرتا ہے تو حضورِ حق نصیب ہو جاتا ہے اور متکلم کے صیغہ میں عرض گزار ہوتا ہے۔ توحیدِ باری کی یہ کیفیت دو عالم کی پریشانیاں کم کر کے دِلی سکون اور مسرت وشادمانی کا سبب بنتی ہے۔

مراقبہ معیت

اِس سے اگلا سبق مراقبہ معیت ہے۔ شیخ توجہ سے طالب کی رُوح کو اس سے اُوپر والی منزل پہ پہنچاتا ہے۔ جہاں کا نور سبز، در ودیوار سبز ہیں۔ ایک عظیم عمارت ہوتی ہے جو محراب دار ہے اور سبز انوارات چھن چھن کر آ رہے ہوتے ہیں۔ اس کی تسبیح ہے:

"اَللّٰهُ حَاضِرِی، اَللّٰهُ نَاظِرِی، اَللّٰهُ مَعِی وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ"

اِس کے اندر بھی بہت تفصیل ہے۔ اس پر پہنچ کر رُوح کو یہ احساس نصیب ہوتا ہے کہ ہر لمحہ، ہر آن اور ہر جگہ میرا مالک میرے ساتھ ہے۔ میرے ہر حال سے

واقف اور مجھ پر اَز حد مہربان ہے۔ یوں وہ حضورِ حق نافرمانی کے تصور سے کانپ اُٹھتا ہے اور عملی زندگی کو اتباعِ رسالت سے مزین کر لیتا ہے۔ اپنی ساری اُمیدیں اُسی ذاتِ بے ہمتا سے وابستہ کر لیتا ہے اور اس کے خوف پر غیر کا خوف غالب نہیں آنے دیتا۔

مراقبۂ اقربیت

معیت کے بعد اسی کے اُوپر ایک منزل ہے۔ جس پر تیز سرخ رنگ کے انوارات ہوتے ہیں۔ درودیوار سرخ، چھت، فرش، فضا سب سرخ ہوتے ہیں۔ یہاں کی عمارت بھی محراب دار ہے مگر معیت اور اقربیت کی محرابوں میں ہلکا سا فرق ہے۔

یہاں رُوح پر احساسِ قربِ الٰہی غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔ اس کی تسبیح ہے۔

"نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد"

کہ اللہ تمھاری شہ رگ سے بھی قریب ہیں۔ تو شہ رگ تو خود وجود کا حصہ ہے، جو دستِ قدرت اڑھائی کھرب ذراتِ وجود کو ترتیب دے رہا ہے، جن سے یہ شہ رگ بھی بنتی ہے، یقیناً وہ اس سے بہت زیادہ قریب ہے کہ ہر ذرۂ بدن کو ترتیب ونمو دے رہا ہے۔

اِس سے رُوح کو بہت زیادہ احساسِ قرب نصیب ہوتا ہے اور زندگی کی

حقیقتوں کا ادراک نصیب ہوتا ہے۔

یہ تینوں مراقبات ایک سبق ہیں۔ انھیں مراقباتِ ثلاثہ کہا جاتا ہے۔ حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شیخ صرف مراقبۂ احدیت کرا دے، اس سے مزید کرامت کی تمنا جہالت ہے۔ اللہ کریم نصیب فرمائے تو یہ سب وہ قیمتی موتی ہیں جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک پائے مبارک سے چنے جاتے ہیں۔

دوائرِ ثلاثہ

اِس سے آگے دوائرِ ثلاثہ ہیں۔ یہ تین دائرے ہیں، جو دوائرِ محبت کہلاتے ہیں۔

دائرۂ محبت اوّل

اِس میں سالک رُوح کو دیکھتا ہے تو اس کی پیشانی کے گرداگرد نورانی دائرہ نظر آتا ہے، سورج کی طرح روشن۔ اس کی تسبیح ہے "یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ" کہ اللہ جل شانہ ان سے محبت کرتا ہے اور یہ لوگ اللہ سے محبت کرتے ہیں کسی فرد یا شے سے محبت بندہ اس کے حُسن یا خوبی سے متاثر ہو کر کرتا ہے مگر ذاتِ باری بے چون و چگوں ہے۔ کوئی دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی وہ سمندِ خیال کی رسائی میں ہے تو محبت جو فطری جذبہ ہے اور دِل میں پیدا ہوتا ہے، کیسے ہوگی؟ چنانچہ اللہ کریم ان سے محبت کرتا ہے کہ وہ تو سب دیکھ رہا ہے اور ہر شئے کو ہر وقت جانتا ہے لہٰذا محبت وہ قوت ہے جو اپنا جواب چاہتی ہے اور جواب بھی، محبت ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ انسان کیا، جانور سے بھی پیار کریں تو وہ بھی جواب میں پیار کرتا ہے، اور خوب پھلتا پھولتا ہے، پھر کہاں محبت

الٰہی۔ جب اس کی برسات ہوتی ہے تو دِل کی زمین نرم ہو کر محبت کے پھول کھلا دیتی ہے اور عشقِ الٰہی کے موتی اُگلنے لگتی ہے لہٰذا ان دوائر کا اثر عملی زندگی میں یوں آتا ہے کہ سالک اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسالت محض فریضہ یا سنت سمجھ کر نہیں کرتا بلکہ اسے ان چیزوں سے عشق ہو جاتا ہے پھر وہ خلوصِ دِل سے اور والہانہ انداز میں کرتا ہے۔

دائرۂ محبت دوم

اس کے بعد دوسرا دائرہ ہے جو پہلے دائرے سے بڑا ہے اور اس کے گرداگرد نظر آتا ہے تو آتشِ عشق کو اور فروزاں کرتا ہے اِس کی تسبیح بھی وہی ہے جو پہلے دائرے کی ہے۔

دائرۂ محبت سوم

پھر تیسرا دائرہ ہے جو اِن دونوں دوائر سے بڑا اور بہت روشن ہے اور لذتِ دردِ نہانی سے آشنا کرتا ہے جیسے فقیر نے ایک نعتیہ شعر کہا تھا:

تیری طاعت میں ہے لطفِ زندگی بے شک فقیرؔ
کیف آ گیں لذتِ دردِ نہانی اور ہے

تسبیح اس کی بھی وہی ہے۔ چنانچہ سالک کی رُوح تسبیح پڑھتی ہوئی عشقِ الٰہی سے سرشار ہو جاتی ہے اور دُنیا و مافیہا کو اسی نظر سے دیکھتی ہے۔

دراصل یہ چیزیں لکھنے، پڑھنے یا بیان کرنے کی نہیں بلکہ عملاً کرنے کی ہیں کہ کیفیات وارد ہوں تو اِن کا احساس وادراک ہوتا ہے، وہ بھی اپنی حیثیت کے مطابق کہ ہر مراقبہ میں، ہر فرد کی کیفیات میں فرق ضرور ہوتا ہے۔

مراقبۂ اسمِ ظاہر و باطن

اس کے بعد مراقبۂ اسمِ ظاہر و باطن کرایا جاتا ہے، جس کی تسبیح ہے۔

"هُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ"

کہ اوّل آخر، ظاہر باطن سب کچھ اسی کی ذات ہے۔ وہ اکیلا قائم بالذات ہے اور ہر شے اس کے قائم رکھنے سے قائم ہے۔

اِس میں سالک دیکھتا ہے کہ ان دوائرِ محبت کے انوارات اس کی رُوح پر لپکتے ہیں اور اندر باہر، آگے پیچھے، اُوپر نیچے ہر طرف نورِ محبت چھا جاتا ہے۔ جس طرح لوہا آگ میں دہک کر آگ ہی بن جاتا ہے۔ اسی طرح سالک کی رُوح آتشِ عشق میں دہک اُٹھتی ہے اور اس کی سوچ اور ہر زاویۂ فکر عشقِ الٰہی سے مسخر ہو کر سراپا اطاعت میں ڈھل جاتا ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دِل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

یہاں یہ یاد رہے کہ رُوح کو لذتِ پرواز اس مراقبہ سے ملتی ہے۔ جس قدر یہ قوی ہوگا اُسی قدر رُوح میں قوتِ پرواز آئے گی۔ یہ معاملہ انتہائی منازل تک چلتا ہے۔

مراقبۂ عبودیت

اس سے آگے مراقبۂ عبودیت کرایا جاتا ہے کہ سالک عشق و مستی میں خود کو نہ کچھ سمجھ بیٹھے۔ لہٰذا اِس مراقبہ میں ارض و سما کی ہر شے، ہر درخت، پتھر، پہاڑ غرض ہر جاندار، بے جان سب کو سربسجود دیکھتا ہے۔ اس کی تسبیح ہے۔

"اَلنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَان"

چنانچہ عالمِ ظاہر یا عالمِ بالا، جہاں تک سالک پہ منکشف ہوتا ہے ہر فرد اور ہر شے کو سربسجود پاتا ہے۔ خود سالک کی رُوح بھی سربسجود ہو کر سجدے کی تسبیح ادا کر رہی ہوتی ہے۔

"سبحان ربی الاعلیٰ"

یوں پھر یہ احساس زندہ ہوتا ہے کہ مَیں یا میرا کوئی کمال، کچھ بھی نہیں۔ سب کچھ اللہ کریم کا ہے اور وہی ہے، باقی کچھ نہیں۔

مراقبۂ فنافی اللہ

اس کے بعد مراقبۂ فنافی اللہ کرایا جاتا ہے جس کی تسبیح ہے "كُلُّ من عَلَيْهَا فَانْ"

ہر شے فنا ہونے والی ہے۔

جب سالک کی رُوح یہاں قدم رکھتی ہے تو دیکھتی ہے کہ ہر شے ایک ایک کر کے فنا ہوتی جارہی ہے اور ہر شے کا نشان مٹتا جارہا ہے۔ حتیٰ کہ خود اپنے ہونے کا احساس بھی ختم ہو جاتا ہے۔ ہرسُو سوائے تاریکی کے کچھ نہیں سوجھتا۔ یہی احساسِ فنا ہر احساس پر غالب آجاتا ہے۔

مراقبۂ بقاباﷲ

اس کے بعد مراقبۂ بقاباﷲ کرایا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ فنا و بقا کے مراقبات کے اندر بھی کچھ مراقبات ہیں جو سب کو نہیں کرائے جاتے۔ اسی لیے لکھے بھی نہیں جا رہے۔ وہ خواص کی باتیں ہیں ورنہ عام انسان حواس کھو سکتا ہے۔ بقاباﷲ کی تسبیح ہے۔

"وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ"

کہ باقی رہنے والی ذات صرف اللہ کریم کی ہے۔ اس میں عالمِ بالا سے انوارات آنے لگتے ہیں اور آہستہ آہستہ ہر شے نظر آنے لگتی ہے۔ مگر ہر شے اور ہر فرد کے ساتھ بقا کے انوارات نظر آتے ہیں کہ گویا اللہ جل شانہ کے قائم رکھنے سے ہر شے قائم ہے ورنہ اپنی ذات میں اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ دائرہ جلالتِ الٰہی کا مظہر ہوتا ہے (ہر مراقبہ اپنے سے نیچے تمام عالم کو محیط ہوتا ہے لہٰذا لفظ دائرہ کہلاتا ہے) یاد رہے کہ

لکھنے میں تو چند جملوں میں شاید بہت کچھ لکھا ہے مگر یہ سب کچھ عملاً اس قدر آسان نہیں اور ان میں سے ہر دائرے کی وسعت، انسانی اعداد و شمار کی حدود سے باہر ہے۔ یہ صرف شیخِ کامل کی توجہ ہے جو آنِ واحد میں بھی پار کرا سکتی ہے۔ ورنہ احدیت پر یا معیت و اقربیت پر بڑے بڑے نام عمریں بسر کر کے واصل باللہ ہوئے۔ اَب ان مقامات پر ان کی ارواحِ مبارکہ کی بِھیڑ نظر آتی ہے اور فنا، بقا کی وسعت تو بے شمار ہے۔ بڑے بڑے لوگ اِس میں سرگرداں ہو کر انا الحق اور سبحانی ما اعظم شانی کے نعرے لگانے لگے۔ اگر ان کے عہد میں کوئی ایسی ہستی ہوتی جو انھیں اُس پار کر دیتی اور اگلے منازل شروع کرا دیتی تو ان کا یہ حال نہ ہوتا۔ مَیں نے اپنے حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے سنا، فرمانے لگے منصور رحمتہ اللہ علیہ اگر میرے زمانے میں ہوتا تو میں اُسے ایک نگاہ سے دائرہ عبور کرا دیتا۔ مگر اللہ کریم کی مرضی کہ اسے کوئی ایسی ہستی نہ مِل سکی۔

سیرِ کعبہ

مراقباتِ ثلاثہ کے بعد بھی سیرِ کعبہ اور فنافی الرسول کا مراقبہ کرا دیا جاتا ہے کہ مراقباتِ ثلاثہ کی حامل رُوح کو برزخ میں رسائی نصیب ہو جاتی ہے اور سیرِ کعبہ کے بعد فنافی الرسول کرا کے پھر اگلے مراقبات کرا دیئے جاتے ہیں۔ بہر حال یہ سب فنا بقا تک کے مراقبات کا حصہ ہے۔ مراقباتِ ثلاثہ کے بعد کرایا جائے یا فنا بقا کے بعد، یہ سالک کی استعداد کو دیکھ کر شیخ کراتا ہے۔ ہم نے اپنے شیخ کی بارگاہ میں نئے آنے والوں کو ایک ہفتے میں یہ سارے مراقبات کر کے جاتے دیکھا ہے۔ اگرچہ میرے ذاتی معاملہ میں برسوں لگے۔

سیرِ کعبہ میں شیخ سالک کی رُوح کو بیت اللہ شریف کے سامنے لے جاتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکْ کی تسبیح پڑھتا ہے اور بیت اللہ شریف کو اپنے سامنے پاتا ہے۔ طواف کرایا جاتا ہے سالک کو بیت اللہ شریف اور اس کے گرداگرد حدِ نظر تک ارواح نظر آتی ہیں جو طواف میں مصروف ہوتی ہے۔ دیگر کوئی شے وہاں نظر نہیں آتی۔

سیرِ صلوٰۃ کا حکم دیا جاتا ہے۔ تکبیر کی جاتی ہے تو ارواح صف بستہ ہو کر تیار ہو جاتی ہیں۔ عموماً شیخِ وقت نماز کی قیادت فرماتا ہے اور دوگانہ نوافل ادا کیے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی مشائخِ بالا میں سے کوئی ہستی امامت فرماتی ہے۔ فقیر کو یہ سعادت نصیب ہے کہ ایک سے زیادہ بار خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت فرمائی، مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

اِس فراغت کے بعد سیرِ قرآن کا مرحلہ آتا ہے۔ ارواح دست بستہ بیت اللہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر چند آیات تلاوت کرنے کا شرف حاصل کرتی ہیں۔

فنا فی الرسول

زاں بعد روضۂ اطہر پر حاضری کا حکم دے کر شیخ توجہ کر کے سالک کی رُوح کو روضۂ اطہر پر لے جاتا ہے۔ ارواح اندر داخل ہو کر حضوری سے فیض یاب ہوتی ہیں۔ وہاں کیا صورتِ حال ہوتی ہے؟ خواہش مند حضرات یہ سب کچھ حاصل کریں تو جان

جائیں گے۔ ان شاء اللہ

روضۂ اطہر سے مسجدِ نبوی ﷺ کا مراقبہ کرایا جاتا ہے۔ سالک کی رُوح بارگاہِ رسالت ﷺ پناہی میں باریاب ہوتی ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ آپ کے بائیں، خلفائے راشدین علی الترتیب الخلافہ تشریف فرما ہوتے ہیں۔ سامنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین سے حضرات اور مشائخِ عظام اپنی اپنی شان کے مطابق تشریف رکھتے ہیں۔ خلفائے راشدین کے عین پیچھے چار کرسیاں ہوتی ہیں۔ یہ اللہ کریم کے وہ چار مقرب بندے ہیں جو تبع تابعین کے بعد قیامت تک مختلف اوقات میں دُنیا میں آتے اور دِین کی سربلندی کا باعث بنتے رہے۔ دو حضرات جلوہ افروز ہوتے ہیں جو دُنیا سے گزر چکے ہیں۔ ایک ہستی خلیفۂ اوّل کے پیچھے، جو اوّل مقام کے حامل ہیں اور ایک ہستی حضرت عثمانؓ کے پیچھے، جو تیسرے نمبر پر ہیں۔ چوتھے نمبر پر امام مہدی بعد وصال تشریف فرما ہوں گے اور دوسرے درجے والے بھی ابھی برزخ میں تشریف نہیں لے گئے۔ ہوسکتا ہے دُنیا میں ہوں یا ابھی دُنیا میں بھی نہ آئے ہوں۔

بہر حال سالک کی رُوح کو حضورِ انور ﷺ کے سامنے پیش کرکے بیعت رُوحانی سے سرفراز کرایا جاتا ہے۔ پھر سیّدنا ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ سے بیعت ہونے کے بعد بارگاہِ رسالت ﷺ میں واپس لایا جاتا ہے۔ جہاں اسے کسی تحفے سے نوازا جاتا ہے۔ جو کام اللہ کریم اس سے لینا چاہیں، اس عطا سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی کو قلم، کسی کو تلوار، جھنڈا، جائے نماز، خواتین کو عموماً چادر، تسبیح یا جائے نماز عطا

ہوتی ہے۔

یوں بیعتِ روحانی اور فنا بقا تک مراقبات کرانے کے بعد پہلا سبق تمام ہوتا ہے۔ اکثر حضرات نے لکھا ہے کہ یہاں سلوک تمام ہو جاتا ہے مگر حق یہ ہے کہ یہ سلوک کی ابجد ہے اور یہاں سے آگے سلوک کی اصل ابتدا ہوتی ہے۔ مشائخِ اویسیہ کا ارشاد یہی ہے کہ جہاں دوسرے سلاسل عموماً انتہا گردانتے ہیں وہاں سے ہماری ابتداء ہوتی ہے۔

اوّل ما آخر ہر منتہی
آخر ما حبیبِ تمنا تہی

سلوک کبھی ختم نہیں ہوتا اور نہ ہی قربِ الٰہی کی کوئی حد مقرر ہے۔ یہ زندگی بھر چلتا ہے۔ برزخ میں ترقی ہوتی ہے، مقامات میں خال مگر کیفیات میں ہر صوفی کو۔ میدانِ حشر میں اِن حضرات کو ترقی نصیب ہوگی اور جنت میں ہر دِن پہلے سے بہتر ہو گا۔ جب کہ جنت ہمیشہ رہنے والی ہے تو سالک کی ترقی بھی ابدی اور دوامی ہے۔

فقیر نے سلسلۂ عالیہ کے طالبین کی راہنمائی کے لیے اِشارۃً ایک حد تک لکھ دیا ہے۔ کسی سے منوانا یا مناظرہ مقصود نہیں۔ جب کہ متقدمین سے لے کر عہدِ حاضرہ تک کے اہل اللہ نے، جن کا علمی پایہ بھی بہت بلند تھا۔ ہمیشہ سلوک طریقت پر لکھا اور بیان فرمایا، دلائل یکجا فرمائے تو نہ ماننے والوں نے کب مان کر دیا۔ ہاں یہ موضوع، جس پر فقیر نے جرأت کی ہے، آج تک تشنہ رہا کہ اس پر صرف ان لوگوں سے بات کی جاتی تھی جو اِن احوال کے حامل ہوتے تھے مگر اَب شاید اس کی ضرورت تھی۔ صاحب احوال کی راہنمائی کے لیے اور دوسروں کا ذوق بیدار کرنے کے لیے بشرطیکہ وہ انکار کی دلدل میں نہ پھنسے ہوں۔

علم

دُنیا میں علم کے جتنے ذرائع ہیں اور جنھیں علم کہا جاتا ہے وہ ہرگز علم نہیں بلکہ خبر کے درجہ میں ہوتا ہے۔ مختلف اخبار بندے کے پاس جمع ہو جاتی ہیں مگر اس کے کردار کو متاثر نہیں کرتیں۔ لیکن انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صرف انبیاء علم تقسیم کرتے ہیں۔ ذاتِ باری، آخرت یعنی عقیدہ، عبادت اور امورِ دُنیا، ہر شے میں نہ صرف خبر دیتے ہیں بلکہ تعلیماتِ انبیاء کا خاصہ ہے کہ جو ارشاد فرماتے ہیں اس کی کیفیت دِل میں در آتی ہے اور یہ خبر جس کے ساتھ کیفیات بھی ہوں دراصل علم کہلانے کی مستحق ہیں۔ لہٰذا علم صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے نصیب ہوتا ہے اور آقائے نامدار ﷺ علوم اوّلین وآخرین کا خزانہ بھی ہیں اور اس سب سے بڑھ کر آپ ﷺ کے ذاتی علوم بھی ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کی تعلیمات دراصل علم کا سرچشمہ ہیں۔ آپ ﷺ جو فرماتے ہیں، قلبِ اطہر کے انوارات طالب کے قلب میں داخل ہو کر، وہ کیفیات اس میں پیدا کر دیتے ہیں۔ اِسی لیے صحابہ کرام سب سے افضل ہیں کہ جسے شرفِ صحابیت نصیب ہو گیا اس کے لطائف، وجود کا ذرہ ذرہ ذاکر ہو کر اس کی رُوح نو عرشوں کو طے کر کے عالمِ اَمر میں پہنچ گئی، جیسے ارشادِ ربانی ہے کہ

"ان کے بدن کی جلد سے لے کر نہاں خانۂ دِل تک ذاکر ہو گئے۔"

اسی طرح ان کی رُوح عالمِ اَمر میں پہنچ کر آگے منازل طے کرنے لگی۔

چنانچہ صحابہ کرام میں سب کا وصال عالمِ اَمر کے کسی نہ کسی دائرہ میں ہوا۔ یہ کمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہِ عالی کا تھا۔ آگے ان کی عظمت کا اندازہ خود کیجیے اور انھیں دیکھیے جو دُنیا اور برزخ اور قیامت میں بھی بارگاہِ عالی میں حاضر ہیں، پھر صحابہ کی خدمت میں جو بھی پہنچا، تابعی کہلایا اور سارا سلوک صرف صحبتِ عالی میں نصیب ہو گیا۔ یہی عالم تبع تابعین تک رہا کہ یہ تین زمانے تمام زمانوں سے بہتر زمانے ہیں۔ اس کے بعد جس طرح مفسر، محدث، فقیہہ بنے اسی طرح کمالاتِ رُوحانی حاصل کرنے والے صوفی کہلائے، جن خوش نصیبوں کو علم کی دولت ملی اور پھر کیفیاتِ قلبی نصیب ہوئیں، علمائے ربانیین کہلائے اور جو بے چارے دولتِ قلبی سے محروم رہے، محض علمِ ظاہر خود ان کی اصلاح بھی نہ کر سکا۔

"وما علینا الا البلاغ"

مَیں نے شاید کچھ نہ لکھتے ہوئے بہت کچھ لکھ دیا ہے اور ان شاء اللہ العزیز سلسلۂ عالیہ کے طالبین کی راہنمائی کے لیے کافی ہوگا۔ کیا خبر بعد میں کوئی ان اسرار سے پردہ اُٹھا بھی سکے یا نہیں۔ دُنیا سے ہر ایک کو جانا ہے۔ حق روزِ محشر واضح ہو جائے گا۔ وہیں ہم بھی ہوں گے اور دیگر مخلوقِ خدا بھی۔ سب کچھ سامنے آ جائے گا۔ مگر تب ماننے سے کیا ہو گا؟ ماننا اور اقرار آج کا مفید ہے، جسے اللہ کریم توفیق دے ضرور آئے اور ان تمام نعمتوں سے حظِ وافر پائے۔

فقیر اللہ کریم سے اس خاتمہ کی آرزو کرتا ہے جو اِن کیفیات کو اِن کی ترقیٔ درجات کی راہوں کے ساتھ سلامتی سے لے جانے والا ہو کہ ہم نے انقلاباتِ زمانہ دیکھے ہیں اور کئی اُجڑتے اور کئی گھر جلتے بھی دیکھے ہیں اور ویرانے گلستاں بنتے بھی دیکھے ہیں۔

وآخر دعوانا عن الحمد للہ ربّ العلمین

امیر محمد اکرم اعوان عفی عنہ

18 صفر 1430ھ

15 فروری 2008ء

طریقہ ذِکر

مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسمِ ذات ''اللہ'' دِل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔

دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسمِ ذات ''اللہ'' دِل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔

اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسمِ ذات ''اللہ'' دِل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ اُس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹے لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسمِ ذات ''اللہ'' دِل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتویں لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسمِ ذات ''اللہ'' دِل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کہا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذِکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذِکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز رہے اور ذِکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ

ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لیے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پہ لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسمِ ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ عرشِ عظیم سے جا کر ٹکرائے۔

طریقۂ مراقبات

مراقبات کے سلسلے میں سب سے بہتر تو یہ ہے کہ مشاہدات روشن، جلی اور صاف حاصل ہو جائیں۔ جس کے لیے مجاہدہ شرط ہے۔ مجاہدہ ایک ایسی چیز ہے جسے اگر کافر بھی کرے تو مادیات کا مشاہدہ اُسے بھی ہو سکتا ہے کہ جو کچھ دنیا میں ظہور پذیر ہو رہا ہے اُسے دیکھنے کے لیے ایمان شرط نہیں ہے۔ ایمان کی ضرورت اُن حقائق کو دیکھنے کے لیے ہے جن کا تعلق عالمِ بالا سے اور عالمِ آخرت سے ہے۔ دولتِ ایمان بھی ہو اور مجاہدہ بھی تو شیخ نہ بھی ہو تو بھی مشاہدات شروع ہو جاتے ہیں یہ اور بات کہ قوتِ مشاہدہ جب پیدا ہو تو شیطان اچک لے کیونکہ شیخ کے بغیر بندے کو خود بھی سمجھ نہیں آتا کہ کس سمت کو جانا ہے اور کیا کرنا ہے؟ دوسری بات یہ کہ توجہ کے بغیر مشاہدات تو ہو سکتے ہیں، مراقبات نہیں۔

مراقبات کے ضمن میں یہ بہت ضروری ہے کہ شیخ کی توجہ ساتھ ہو ورنہ اَز خود مراقبۂ احدیت کے لیے نوری سالوں کی بجائے روح کی رفتار سے بھی صحیح سمت چلنا شروع کر دیں تو صرف احدیت تک پہنچنے کے لیے پچاس ہزار سال درکار ہیں۔ لہٰذا مراقبات اَز خود نہیں کیے جا سکتے۔ یہ صرف شیخ کی توجہ ہے جو ایک لمحہ میں احدیت پہ

پہنچا دیتی ہے۔

شیخ کی توجہ سے مراقبات نصیب ہوجائیں تو مجاہدہ اس طرح کا ہونا چاہیے کہ اگر مراقبۂ احدیت ہورہا ہے تو آدمی احدیت کو دیکھے، اپنے آپ کو وہاں دیکھے بلکہ اپنے ساتھ دوسرے جو لوگ وہاں پر ہوں اُن کو دیکھ سکے۔ یہ بہت اعلیٰ صورت ہے۔ اِس سے کم تر یہ ہے کہ مقامات و کیفیات نظر آ رہی ہوں۔ اگر مقام نظر نہیں آتا تو اپنی روح، اپنے آپ کو وہاں کھڑا ہوا ضرور دیکھ رہا ہو۔ ان دو میں سے ایک شے نظر آ رہی ہو۔ اگر یہ بھی نہیں تو اس سے کم تر یہ ہے کہ وہاں کے انوارات تو نظر آئیں اور جب احدیت سے مراقبہ تبدیل ہو تو وہ انوارات بدل جائیں۔ پھر اگلے مقام کے انوارات نظر آنا شروع ہوجائیں۔

بعض لوگوں کو مشاہدات کی بجائے وجدان عطا ہوتا ہے۔ وجدان کشف سے مضبوط اور قوی تر شے ہے اور اعلام من اللہ کی بہت ہی اعلیٰ صورت ہے۔ کشف میں شیطانی دخل وجدان کی نسبت بہت زیادہ ہوسکتا ہے۔ وجدان چونکہ اعلام من اللہ ہوتا ہے۔ سیدھی بات ذاتِ باری سے مترشح ہو رہی ہوتی ہے لہٰذا شیطان اگر دخل اندازی کی کوشش کرے تو وہاں سے نور فوراً منقطع ہو کر ظلمت آجاتی ہے۔ چنانچہ کشف کی نسبت اِس میں حفاظت کا پہلو بہت زیادہ ہوتا ہے۔

ایک عام آدمی یا طالب یا مبتدی کے لیے وجدان کو جانچنے کی ایک ہی صورت ہے مثلاً کسی کو مراقبۂ احدیت ہوتا ہے، اس کی روح وہاں پہنچتی ہے لیکن اُسے مشاہدہ نہیں ہوتا مگر اس کا دل اس بات پر اعتماد کرلیتا ہے کہ میری روح احدیت پہ

موجود ہے۔ اگر یہ اعتماد اعلام من اللہ ہو اور یہ وجدان ہو تو کوئی خارجی دلیل اس یقین کو متزلزل نہیں کر سکتی اور اگر اس اعتماد میں تزلزل آ جائے تو پھر وہ اس کی ذاتی رائے ہے اعلام من اللہ نہیں۔

بہرحال وجدان بہت نایاب تو نہ سہی کم یاب ضرور ہے۔ لاکھوں میں کوئی ایک فرد ایسا ہوتا ہے جسے وجدان کی دولت سے نوازا جائے اور پھر وہ فرد ایک مضبوط چٹان کی مانند ہوتا ہے جہاں جم جائے، اُسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں ہلا سکتی۔

سب سے پہلے جن دو صورتوں کا ذکر کیا گیا ہے اُن میں سے کسی نہ کسی صورت کو پانے کی کوشش کریں۔ اس کے لیے کثرتِ توجہ چاہیے۔

سب سے پہلے تو لطائف کرتے وقت یہ کوشش کریں کہ ہر سانس پہ نگرانی رہے کہ ''اللہ ہو'' جاری رہے۔ یہ نہ ہو کہ سانس ایک عادت کے مطابق تیزی سے چل رہی ہو اور خیالات کہیں اور بھٹک رہے ہوں۔ اپنے خیالات کو ایک نقطے پہ مرتکز کرنے کے لیے محنت کرنا پڑتی ہے۔ یہ ایک دشوار کام ہے جو مسلسل کرنا پڑتا ہے۔ مسلسل کرنے سے یکسوئی حاصل ہوتی ہے اور جتنی یکسوئی حاصل ہوگی اتنے ہی مشاہدات واضح ہوتے چلے جائیں گے۔ یہ شے ایک دفعہ حاصل ہو جائے تو پھر یہ طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ اِس میں اتنا لطف اور اتنی لذت ہے کہ انسان خود بخود اس کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ مزاج اس لذت کا عادی ہو جاتا ہے اور انسان بازار میں، گھر میں، مجلسوں میں بیٹھا ہوا بھی اپنی لگن، اپنی دھن میں مگن رہتا ہے۔ اسے اصطلاحِ تصوف میں 'خلوت در انجمن' کہتے ہیں۔ لہٰذا اِس یکسوئی کو پانے کے لیے کسی بھی لمحہ کو

ذکر سے خالی نہ جانے دیں۔ ہر خارجی سوچ کو ذہن سے نکال کر کوشش کریں کہ پوری توجہ اسی ایک کام کی طرف حاصل ہو جائے اور طبیعت میں ایسی یکسوئی آ جائے کہ دِل کا رُخ ایک ہی سمت کو راسخ ہو جائے۔ اس کی سوئی ایک ہی جگہ پہ آ کر جم جائے۔ پھر قیامت کا زلزلہ بھی اُسے اپنی جگہ سے ہٹا نہ سکے۔

یاد رکھیں! لطائف قوی نہ ہوں اور روح کو پکڑ کر مختلف مقامات پہ لے جائیں تو جب شیخ سے جدا ہوگا یا شیخ کی توجہ ہٹے گی تو روح واپس اپنی جگہ پہ آ جائے گی۔ کوئی بھی شخص ان مقامات پہ ٹھہر تب ہی سکتا ہے جب اُس میں ذاتی قوت موجود ہو۔ وہاں تک پہنچانا شیخ کا کام ہے اور وہاں پہ ٹھہرنا اُس کی ذاتی قوت۔

پوری توجہ اور یکسوئی سے لطائف کرنے کے بعد جب احدیت کی طرف متوجہ ہوں تو پھر زمین، آسمان، وجود کا خیال چھوڑ دیں اور اپنے آپ کو وہاں دیکھیے (روح کا بالکل وہی حلیہ، قد و قامت وہی لباس ہوتا ہے جو بظاہر یہاں پہن رکھا ہوتا ہے) ہر قسم کی سوچ اور خیال سے مبرا ہو کر اپنے آپ کو مقامِ احدیت پہ کھڑا محسوس کیجیے اور مکمل یکسوئی کے ساتھ خود کو احدیت پہ محسوس کرتے ہوئے مراقبۂ احدیت کی تسبیح کیجیے۔ یہ محسوس کیجیے کہ روح اس مقام پہ تسبیح پڑھ رہی ہے۔ پھر جب مراقبۂ معیت کا قصد کریں تو اُسی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ اگلے ہی لمحے خود کو مقامِ معیت پہ محسوس کریں اور اُسی طرح خیال کیجیے کہ روح مراقبہ معیت کی تسبیح پڑھ رہی ہے۔ یہی طریقہ تمام مراقبات کے کرنے کا ہے۔

کتبِ تصوف

۱۔ کتاب التعرف، محمد بن ابراہیم الکلاباذی

۲۔ حلیۃ الاولیاء، ابونعیم الاصبہانی

۳۔ رسالہ قشیریہ، عبدالکریم بن ہوازن القشیری

۴۔ کشف المحجوب، شیخ علی ہجویری

۵۔ احیاء علوم الدین، محمد بن محمد غزالی

۶۔ المنقذ من الضلال، محمد بن محمد غزالی

۷۔ منہاج العابدین، محمد بن محمد غزالی

۸۔ معراج السالکین، محمد بن محمد غزالی

۹۔ کیمیائے سعادت، محمد بن محمد غزالی

۱۰۔ الفتح الربانی، شیخ عبدالقادر جیلانی

۱۱۔ غنیۃ الطالبین، شیخ عبدالقادر جیلانی

۱۲۔ کتاب النفس والروح، امام فخرالدین رازی

۱۳۔ العوارف المعارف، شہاب الدین سہروردی

۱۴۔ فصوص الحکم، محی الدین ابن عربی

۱۵۔ الفتوحات المکیہ، محی الدین ابن عربی

۱۶۔ اکمال الشیم، ابن عطاء اللہ سکندری

۱۷۔ مدارج السالکین، ابن قیم جوزی

۱۸۔ اغاثتہ اللفھان، ابن قیم جوزی

۱۹۔ کتاب الروح، ابن قیم جوزی

۲۰۔ نفحات الانس، مولانا عبدالرحمٰن جامی

۲۱۔ جذب القلوب، مولانا عبدالحق محدث دہلوی

۲۲۔ انفاس العارفین، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

۲۳۔ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، شاہ ولی اللہ

۲۴۔ القول الجمیل، شاہ ولی اللہ

۲۵۔ فیوض الحرمین، شاہ ولی اللہ

۲۶۔ حجتہ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ

۲۷۔ ارشاد الطالبین، قاضی ثناء اللہ پانی پتی

۲۸۔ الابریز، عبدالعزیز دباغ

۲۹۔ تحفتہ الذاکرین، محمد بن علی الشوکانی

۳۰۔کلیات امدادیہ،حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

۳۱۔نزہۃ الخواطر،عبدالحی بن فخر الدین

۳۲۔رُوح تصوف،مولانا اشرف علی تھانوی

۳۳۔التکشف عن مہمات التصوف،مولانا اشرف علی تھانوی

۳۴۔مسائل السلوک،مولانا اشرف علی تھانوی

۳۵۔امداد المشتاق،مولانا اشرف علی تھانوی

۳۶۔بوادر النوادر،مولانا اشرف علی تھانوی

۳۷۔عرفان،مولانا نور محمد کلاچوی

۳۸۔دلائل السلوک از حضرت مولانا اللہ یار خانؒ